

## محنت

جھاڑ کنڈ، ہندوستان کا غریب ترین صوبہ ہے۔ اقوام متحده کے مطابق بتالیس فیصد افراد غربت کی لکیر سے بچنے کی گزارنے پر مجبور ہیں۔ تعلیم، روزگار، طبی سہولیات اور دیگر معاملات حد درجہ گرگوں ہیں۔ پورے ہندوستان میں بہار واحد ایسا صوبہ ہے جو جھاڑ کنڈ سے بھی گیا گزر رہے۔ ساٹھ فیصد سے زیادہ آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے۔ غرض یہ جھاڑ کنڈ مجموعی طور پر حد درجہ پسمندہ اور غربت ذدہ ریاست ہے۔ جھاڑ کنڈ کے ایک انتہائی پسمندہ علاقے میں آشادیوی نام کی ایک ادھیر عمر عورت رہتی ہے۔ اس کا پیشہ مزدوری ہے، کبھی کسی تعمیراتی کام میں سامان ڈھونا شروع کر دیتی ہے۔ اگر کہیں کنوں کھدرہا ہو تو ک DAL اور اوZAR لے کر زمین کھو دنی شروع کر ڈالتی ہے۔ کبھی کسی زمیندار کو فصل کاٹنے کے لئے افرادی قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں کام کرنا شروع کر دیتی ہے۔ مکمل ان پڑھ ہے۔ اسے مزدوری مجبوراً بھی کرنا پڑتی ہے۔ اس لئے کہ اس کا خاوند نشہ کرتا ہے۔ سارا دن گھر میں پڑا رہتا ہے۔ اس قدر غیر ذمہ دار شوہر کی موجودگی میں آشادیوی اگر مزدوری نہیں کرے گی تو اور کیا کرے گی۔ ساتھ ساتھ ایک اور قدرتی بدستمی بھی موجود ہے۔ اولاد نرینہ سے محروم ہے۔ پانچ بیٹیاں ہیں۔ برصغیر میں اگر لڑکا نہ ہو تو عورت کو قصور وار بلکہ مجرم گردانا جاتا ہے۔ لہذا اس لحاظ سے آشادیوی ایک مجرم ہے۔ حد درجہ غربت اور صرف اور صرف لڑکیوں کا ہونا، اس کی زندگی کے الیے بن چکے ہیں۔ بڑی تین بیٹیوں کی جیسے تیسے شادیاں ہو چکی ہیں۔ اب آشا کے گھر میں صرف دو بیٹیاں موجود ہیں۔ ان میں انتیا کماری بڑی اور وینیتا کماری چھوٹی ہے۔ انتیا اس وقت پندرہ سو لہ برس کی ہے۔ وہ بچپن ہی سے انتہائی مختلف تھی۔ گھر میں کھانا صرف ایک وقت بنتا تھا۔ اور کھانا سالہا سال سے صرف ایک طرح کا ہوتا ہے۔ اسے مقامی طور پر مندرجہ بھات کہا جاتا ہے۔ یہ ابلے ہوئے چاولوں کا ملغوبہ ہوتا ہے اور اس میں پانی، ہلکا سا شور بابن جاتا ہے۔ کیا اب یقین فرمائیں گے کہ آشا کماری نے پوری زندگی صرف اور صرف یہی ابلے چاول کھائے ہیں۔ انتیا اور اس کی بہنیں یہی پھوک کھا کھا کر بڑی ہوئی ہیں۔

آج سے سات سال پہلے انیتا کوفٹ بال کھینے کا جنون ہو گیا۔ عمر اس وقت صرف نوبس کی تھی۔ بچی نے کسی طریقے سے فٹ بال حاصل کیا۔ مقامی سکول میں پیر یڈ ختم ہونے کے بعد فٹ بال کھینا شروع کر دیتی تھی۔ اس کے پاس معقول کپڑے اور جوتے بھی نہیں تھے۔ ایک بنیان اور نیکر پہن کرنے کے باوجود گھنٹوں فٹ بال کھیلتی رہتی تھی۔ گاؤں والے حیران تھے۔ کہ ایک بچہ دھڑنگ بچی، یہ کیا کر رہی ہے۔ تمام گاؤں والے اس کا ٹھٹھہ اڑاتے تھے۔ کئی لوگ تو گراونڈ میں شیشے کی کرچیاں بکھیر دیتے تھے تاکہ وہ کھیلتے ہوئے زخمی ہو جائے۔ مگر یہ تمام ہلڑ بازی بری طرح ناکام ہو گئی۔ انیتا کافٹ بال کھینے کا جنون بڑھتا چلا گیا۔ تھوڑا اعرصہ پہلے، فٹ بال کے عالمی ادارے FIFA نے جمشید پور میں انڈر 17 بچیوں کے ٹریننگ کمپ لگانے کا ارادہ کیا۔ ان کے کوچ اب ہر طرف ان لڑکیوں کو تلاش کر رہے تھے جو اچھا فٹ بال کھیلتی ہوں۔ اور پھر محنت کر کے انہیں فیفا کے عالمی فیسٹیوں تک رسائی دی جاسکے۔ انیتا کو اس کمپ کا کچھ بھی پتا نہیں تھا۔ اس کی والدہ چاہتی تھی کہ بس اب اس کی شادی ہو اور ایک گھر گھر ہستی والی زندگی گزارے۔ مگر انیتا کوفٹ بال کھینے کا اتنا جنون تھا کہ امور خانہ داری سے حد درجہ دور رہتی تھی۔ فیفا کے کسی مقامی اہلکار کو اتفاق سے انیتا کے فٹ بال کھینے کے جنون کا علم ہو گیا۔ کسی کو بتائے بغیر انیتا کے گاؤں چلا گیا۔ جب گراونڈ میں اس بچی کو کھیلتے ہوئے دیکھا تو ششد رہ گیا۔ اتنا زبردست اور اچھا کھیل۔ فوری طور پر اپنے ادارے کو اطلاع دی۔ فیفا کا مقامی سربراہ انیتا کے گاؤں گیا۔ والدہ سے انیتا کو جمشید پور میں بین الاقوامی سطح کے کمپ میں شمولیت کی درخواست کی۔ آشادیوں یعنی والدہ حیران رہ گئی۔ اسے فیفا کا کچھ بھی پتا نہیں تھا۔ خود انیتا کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ مگر جب انہیں پوری صورت حال بتائی گئی تو اعتماد ہو گیا۔ انیتا، اب جمشید پور کے فٹ بال کمپ میں مشق کر رہی ہے۔ آنند پر شاد شرما جو کہ اس کمپ کا ہیڈ کوچ ہے۔ اس کے مطابق انیتا فٹ بال کے میدان میں حد درجہ کا میاب ہو سکتی ہے۔ انیتا اب زندگی میں پہلی بار اچھی غذا کھا رہی ہے۔ فٹ بال کھینے کے لئے کمپنیوں نے بہترین جو تے اور فٹ بال بھی عطیہ کیے ہیں۔ اس کی کہانی سن کر متعدد کمپنیاں اسے اپنا بر انڈا یمپسٹ رکھنا چاہتی ہے۔ انیتا یہ قسمت مہربان ہو چکی ہے۔ والدہ ٹوپی وی انٹرو یوڈیتے دیتے رونا شروع کر دیتی ہے اس

لئے کہ اسے یقین نہیں ہو پاتا کہ بیٹی کھیل کے ذریعے پوری دنیا میں اتنا بہتر نام کمائے گی۔ گاؤں والے فخر سے لوگوں کو بتاتے ہیں کہ انیتا ان کی بیٹی کی طرح ہے۔ گراونڈ میں شیشہ بچھا کر انیتا کے پاؤں زخمی کرنے والے لوگ، اب اس کی تعریفوں کے پل باندھ رہے ہیں۔ اگر انیتا ٹریننگ کیمپ سے نکل کر فیفا کے تحت پیچ کھیلنے شروع کر دیتی ہے۔ تو دو چار برس میں ارب پتی ہو جائے گی۔

اس حقیقت کو بتانے کا ایک مقصد ہے۔ انیتا نے بغیر کسی وسائل کے کامیابی کی سیڑھی پر پہلا قدم رکھا ہے۔ بالکل اسی طرح ہم میں سے ہر انسان شدید محنت کر کے اپنی منزل کو حاصل کر سکتا ہے۔ میرے اس جملے میں کسی قسم کا مذہبی، سماجی یا سماجی تعصباً نہیں ہے۔ دوبارہ عرض کرتا ہوں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی ریاضت کے سہارے ہروہ کام کر سکتا ہے جس کی آرزو کرتا ہے۔ ایسے بہت سے کاروباری لوگوں کو جانتا ہوں جنہوں نے سائیکل پر اپنا کاروبار شروع کیا اور آج ارب پتی ہیں۔ لیکن قدرت کا ایک منفرد الہیہ بھی سامنے لانا چاہتا ہوں۔ ایسے درجنوں فلاش افراد کو جانتا ہوں جن کے والدین یا بزرگ حد درجہ موثر کاروباری افراد تھے۔ بہت زیادہ امیر تھے۔ مگر انہوں نے اپنے والدین کی کمائی ہوئی دولت اللہ تللوں میں بر باد کر ڈالی اور آج ایک ناکام سی ادھوری زندگی گزار رہے ہیں۔ گزارش کرنے کا مقصد بالکل واضح ہے۔ انسان کے دل میں لگی ہوئی آگ اور جنون، اسے ترقی کروانے میں سب سے کارآمد غضر ہے۔ اگر آپ کے اندر ترقی کرنے کا الاؤ جل رہا ہے تو ہر قیمت پر کامیاب ہونگے۔ یہ ایک قدرتی اصول بلکہ قانون ہے کہ خدا اسی انسان پر مہربانی اور مقدار کے دروازے کھولتا ہے، جو اس کے لئے شدید محنت کرتا ہے۔ ہاں۔ موروثیت کا ایک فیکٹر ضرور ہے۔ مگر وراثت میں آپ کو دولت اور شاندیعزم بہت تھوڑے عرصے کے لئے مل تو سکتی ہے۔ مگر نادے فیصل لوگ اس وراثت کے سہارے بہت زیادہ عرصہ، محنت کیے بغیر اچھی زندگی نہیں گزار سکتے۔ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ذرا سوچیے۔ پاکستان بننے وقت ملک کے امیر ترین دس اشخاص کی فہرست ترتیب دیجئے۔ ان کی آل اولاد کا کھون لگائیے۔ حیران رہ جائیں گے۔ کہ ان لوگوں کی اولاد کی اکثریت اتنی آسودہ حال نہیں جتنی ستر برس یہیں ان کے آباء اجداد تھے۔ لائل یور کی مثال دینا ضروری سمجھتا

ہوں۔ 1960ء میں وہاں ایک کار و باری خاندان حدد درجہ امیر تھا۔ ان کے پاس تین ہوائی جہاز تھے۔ آج کے مدینہ ٹاؤن کے نزدیک ہوائی جہازوں کا چھوٹا سا ائر پورٹ تھا۔ صرف چھڑہائیوں بعد نہ وہ ہوائی جہاز رہے۔ ان کی ٹیکسٹائل مل کچرے کا ڈھیر بن گئی۔ اور آنے والی پیڑھی نے اسے ریبل سٹیٹ کالونی میں تبدیل کر دیا۔ آج اتنی حدد درجہ امیر ترین لوگوں کی آل کوئی بھی نہیں جانتا۔ فرق کیا ہے۔ جس نے بھی اپنے وقت میں، کسی بھی شعبہ میں ہمت کی، قدرت نے اپنے ان مٹ قوانین کے تحت اسے خوب نوازا۔ اور جس نے ریاضت سے تھی دامنی کا مظاہرہ کیا، فرش سے عرش پر آ گیا۔

عام نوجوان بچے اور بچیوں کی طرف دیکھتا ہوں۔ اکثریت کسی نہ کسی حکومتی امداد کی طرف دیکھ رہی ہوتی ہے۔ گمان ہے کہ کوئی نہ کوئی سیاسی یا غیر سیاسی نجات دہنده آئے گا، اور ان کا مقدر سنور جائے گا۔ ایسا ہمارے جیسے ادنیٰ نظام میں نہ کبھی ہوا ہے اور نہ کبھی ہو گا۔ پاکستان کا نظام حدد درجہ ظالمانہ ہے یہاں طاقت ور طبقہ یا مقتدر طبقہ صرف اور صرف اپنی اولاد کی بہبود کے لئے کوشش نظر آتے ہیں۔ باقی سب کچھ کھو کھلے نعرے بلکہ مکمل فریب ہے۔ یقین نہ آئے تو مثال دے دیتا ہوں۔ کیا پیپلز پارٹی، مسلم لیگ ن، مسلم لیگ ق، جمیعت اعلیاء اسلام ف میں کوئی بھی ایسا معتبر شخص نہیں، جسے ان سیاسی گروہوں کی سربراہی سونپی جاسکے۔ نہیں صاحب، اگر سیاسی ورثہ کو منتقل کرنا ہے تو صرف اپنی اولاد میں۔ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ پیٹی آئی کی وراثت کس کو جاتی ہے۔ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر ایک بات جان لیجئے۔ کوئی بھی حکومت ہو۔ آپ کو روزگار پلیٹ میں رکھ کر پیش نہیں کرے گی۔ اگر انہیں کماری صرف چاول کھا کر دنیا کی سب سے طاقت و رکھیل یعنی فٹ بال میں آگے بڑھ سکتی ہے۔ تو آپ کو کس نے روکا ہے۔ خود آگے بڑھیے۔ قدرت کے اٹل قوانین آپ کی محنت کو کبھی ضائع نہیں ہونے دینے گے!